ڈاکٹر عبدالواجد تبسم
اسسٹنٹ پروفیسر اردو شعبہ پاکستانی زبانیں علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد
سعدیہ عزیز
اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ تاریخ علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد

سر سید احمد خان حیات و خدمات: تاریخی تناظر میں

Dr. Abdul Wajid Tabassum
Assistant Professor, Department of Urdu, Pakistani Languages, Allama Iqbal Open University, Islamabad
Sadia Aziz
Assistant Professor, Department of History, Allama Iqbal Open University, Islamabad

Sir Syed Ahmad Khan Life and Services: In a Historical Perspective

Sir syed Ahmad Khan is a renown Muslim Thinker,Rformer and writer.He played an important role in moulding the history of all India through Ali Grah'sMovement besides that He spent most of His time in writing books and essays in His esteem Journal "Tehzeeb ul Akhlaq" on different literary ,social and civilizational issues.This article is a brief introduction of His life and scholary work

سر سید احمد خان ۱۷ اکتوبر ۱۸۱۷ء کو دہلی میں پیدا ہوئے۔ وہ اپنے والد کی طرف سے حسینی سید تھے۔ ان کا سلسلہ نسب ۳۶ویں پشت پر حضرت محمدؐ تک پہنچتا ہے۔(۱) ان کے خاندان نے ایران کے مشہور شہر دامغان سے ہجرت کر کے ہرات میں سکونت اختیار کی اور بعد ازاں شاہجہان کے عہد میں ہندوستان وارد ہوا۔ ان کے خاندان کا اورنگ زیب عالمگیر سے اکبر شاہ کے زمانے تک شاہی خاندان سے برابر تعلق رہا اور ان کی خدمات کے صلے میں انھیں اعلیٰ خطابات سے نوازا جاتا رہا مگر سر سید احمد خان کے والد میر متقی نے اپنی آزاد طبیعت کی بدولت اپنے والد سید ہادی کا منصب اور خطاب قبول کرنا قرین مصلحت نہ سمجھا۔(۲) مگر دربار سے تعلق منقطع نہ کیا۔ بہادر شاہ کے تخت پر متمکن ہونے کے بعد یہ سلسلہ موقوف ہو گیا لیکن ان کی تنخواہ جو قلعہ

سے مقرر تھی وہ ان کی وفات تک انھیں برابر ملتی رہی۔ سرسید احمد خان کے ناناخواجہ فرید الدین کا شمار صاحبانِ علم و فضل میں ہوتا تھااور خاص کر ریاضیات میں وہ وحید عصر تھے۔ اپنی علمیت اور لیاقت کی بدولت ان کا اقبال ہمیشہ بلند رہااور وہ دہلی، لکھنؤ کے شاہی درباروں کے علاوہ انگریزی حکومت میں بھی اعلیٰ عہدوں پر رہے۔ سرسید احمد خان کی ابتدائی تربیت اپنی والدہ کے سایہ عاطفت میں اپنے ننھیال میں ہوئی۔ جہاں انھوں نے قرآن کے علاوہ کریما، خالق باری، آمد نامہ، گلستان، بوستان کے ساتھ عربی کی کچھ بنیادی کتابیں پڑھیں۔ اس کے بعد اپنے ماموں نواب زین العابدین خان سے ریاضی کے مسائل سیکھے۔ اسی زمانے میں انھیں طب کا شوق پیدا ہوا اور انھوں نے اپنے ایک خاندانی حکیم غلام حیدر خان سے ابتدائی طب کی کتابیں پڑھنے کے بعد کچھ عرصہ ان کے ساتھ مطب بھی کیا۔ اس کے بعد پڑھائی چھوڑ دی مگر انھیں مطالعے کا شوق برابر رہا۔ علاوہ ازیں اس عہد کے اہل علم میں سے صہبائی، غالب اور آزردہ سے ان کی ملاقات رہی اور وہ ان کی علمی مجالس میں بھی بیٹھتے رہے۔

سرسید احمد خان کی جوانی کا زمانہ عیش و نشاط کی محفلوں میں گزرا مگر بھائی کی قبل از وقت موت نے ان کا رخ ان رنگین صحبتوں کی طرف سے یکسر موڑ دیااور رفتہ رفتہانھوں نے اپنی وضع قطع بھی بدل لی۔

۱۹۳۸ء میں والد کی وفات کے وقت سرسید احمد خان کی عمر بائیس سال تھی۔ ان کی وفات کی وجہ سے مختلف جگہوں سے تنخواہ کی مد میں جو پیسے آتے تھے وہ خاصے کم ہو گئے۔ چنانچہ سرسید احمد خان کو مجبوراً انگریز حکومت کی ملازمت اختیار کرنا پڑی۔ انھوں نے ابتدا میں اپنے خالو مولوی خلیل اللہ خان جو اس وقت دہلی میں صدر امین تھے کی وساطت سے کچہری میں کام سیکھااور پھر بعد میں ان ہی کے ہاں سررشتہ دار مقرر ہوئے۔ ۱۸۳۹ء میں مسٹر رابرٹ ہملٹن جو سرسید احمد خان کو پہلے سے جانتے تھے، نے آگرہ میں کمشنر بنتے ہی انھیں اپنے دفتر میں نائب منشی کے عہدے پر تعینات کر دیا۔ جہاں سرسید احمد خان نے جلد قوانین مال سے واقفیت حاصل کر لی۔ اس ملازمت کے دوران میں انھوں نے قوانین متعلقہ منصفی کا خلاصہ اس لیے تیار کیا کہ منصفی کے عہدے کے لیے راہ ہموار ہو۔ اس کی بنا پر کمشنر نے سرسید احمد خان کی منصفی کی سفارش کی، اگرچہ انھیں یہ عہدہ ملنے کے احکامات ہو گئے تھے مگر اس کے لیے قواعد امتحان جاری ہو گیا۔ سرسید پہلی بار ہی اس امتحان میں کامیاب ہو گئے اور انھیں دسمبر ۱۸۴۱ء میں مین پوری کا منصف مقرر کر دیا گیا۔ ۱۰ جنوری ۱۸۴۲ء کو وہ تبدیل ہو کر فتح پور سیکری آ گئے۔ اسی زمانے میں بہادر شاہ ظفر نے ان کے دادا کا موروثی خطاب جواد الدولہ، عارف جنگ کے اضافے کے ساتھ انھیں عنایت کیا۔ ۱۸۴۶ء میں ان کا تبادلہ فتح پور سیکری سے دہلی ہو گیا۔ ان دنوں انھیں

تحقیقات کا خیال پیدا ہوا جو ان کی کتاب ''آثارالصنادید'' کی صورت میں سامنے آیا۔ ۱۳ جنوری ۱۸۵۵ء کو وہ مستقل صدر امین ہو کر دہلی سے بجنور چلے گئے۔ قیام بجنور کے دوران میں انھوں نے ضلع بجنور کی تاریخ مرتب کی اور دوسرے آئین اکبری کی تصحیح اور تکمیل کی۔ سرسید احمد خان بجنور میں تعینات تھے کہ ۱۸۵۷ء کا ہنگامہ برپا ہوا اور وہ بڑی مشکل سے جان بچا کر میرٹھ پہنچے اور پھر وہاں سے گھر کی خبر گیری کے لیے دہلی آئے مگر دہلی کے حالات بہت ابتر تھے اور ان کا گھر بھی لُٹ چکا تھا۔ انھوں نے اپنی والدہ اور چند دیگر عزیزوں کے ہمراہ واپس میرٹھ کا قصد کیا۔ وہاں پہنچنے کے بعد ان کی والدہ اتنی علیل ہوئیں کہ دنیا ہی سے چل بسیں۔ ۱۸۵۸ء میں وہ بجنور سے درالصدوری کے عہدہ پر ترقی پا کر مراد آباد چلے گئے۔ مراد آباد میں انھوں نے ''تاریخ سرکشی بجنور'' لکھی اور ایک فارسی مدرسہ بھی قائم کیا۔ اس دوران میں ان کا مشہور زمانہ رسالہ ''اسباب بغاوت ہند'' بھی شائع ہوا۔ مراد آباد ہی میں انھوں نے ''تاریخ فیروز شاہی'' ضیاء برنی کی تصحیح بھی کی جسے ایشیاٹک سوسائٹی بنگال نے شائع کیا اور ''تبیین الکلام'' کے لکھنے کا آغاز کیا جو بعد میں غازی پور میں مکمل ہوئی۔

سرسید احمد خان نے غازی پور کے قیام کے دوران میں سائنٹفک سوسائٹی قائم کی جس کے زیرِ اہتمام تراجم کا کام ہوا۔ ۱۸۴۴ء میں انھوں نے علی گڑھ سے ایک اخبار نکالا جس کا نام سائنٹفک سوسائٹی اخبار رکھا۔ جس کے وہ خود ایڈیٹر تھے۔ بعد ازاں اسی اخبار کا نام علی گڑھ انسٹیٹیوٹ گزٹ رکھا گیا۔ ۱۸۶۸ء میں انھوں نے رسالہ ''احکام طعام اہل کتاب'' لکھا۔

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد سرسید احمد خان اس حقیقت سے آگاہ ہو گئے تھے کہ جب تک مسلمان انگریزی تعلیم سے آشنا نہ ہوں گے ترقی کی منازل طے نہیں کر سکیں گے۔ یورپ کی تعلیمی ترقی کا مشاہدہ کرنے کے لیے، انھوں نے یورپ کا سفر ضروری خیال کیا۔ جب ان کے بیٹے سید محمود کا ولایت میں تعلیم کی غرض سے اسکالر شپ ہوا تو انھوں نے اپنے سفر خرچ و قیام کے لیے اپنا کتب خانہ فروخت کر دیا اور ساتھ ہی گھر کو بھی گروی رکھ دیا اور ۱۸۶۹ء میں بنارس سے انگلستان کے لیے روانہ ہو گئے۔ سرسید احمد خان نے تقریباً سترہ ماہ لندن میں قیام کیا اور اس کے دوران میں علم و ادب اور سیاست کے بعض اہم سربرآوردہ لوگوں سے ان کی ملاقات رہی۔ انگلستان کے نظام تعلیم کو بھی دیکھا اور انگریز قوم کی ترقی کے عوامل کا بھی جائزہ لیا۔ ان کے اس سفر کی روداد ان کے سفر نامے ''مسافرانِ لندن'' کی صورت میں سامنے آئی۔ انگریزوں کی طرف سے ان کا خاصا خیر مقدم ہوا اور انھیں سی ایس آئی کا خطاب اور تمغا بھی دیا گیا۔ لندن میں قیام کے دوران انھوں نے

''خطبات احمدیہ'' کا پہلا مسودہ تحریر کیا اور وہیں شائع بھی کرایا۔ سرسید ۲ر اکتوبر ۱۸۷۰ء کو بمبئی پہنچے اور اسی ماہ بنارس پہنچ کر اپنا سرکاری منصب سنبھال لیا۔

ہندوستان پہنچ کر انھوں نے اپنی فکر کو عملی صورت دینے کے لیے دو کام کیے۔ ایک تو مسلمانوں کو تقلید کے دائرے سے نکال کر ان کی اخلاقی تربیت کی جائے اس کے لیے انھوں نے ۱۸۷۰ء میں ''تہذیب الاخلاق'' کا اجرا کیا۔ دوسرا مسلمانوں کو جدید تعلیم سے آراستہ کرنے کے لیے ''کمیٹی خواستگار ترقی تعلیم مسلمانان'' بنارس میں قائم کی۔ اس کمیٹی کی طرف سے دسمبر ۱۸۷۰ء میں مسلمانوں کی تعلیمی بربادی کی وجوہ جاننے کے لیے انعامی اشتہار جاری کیا گیا اور اس کے جواب میں جو مضامین موصول ہوئے سرسید نے ان کی بنا پر ایک رپورٹ مطبوعہ صورت میں حکومت کو بھیجی۔ حکومت ہند نے وعدہ کیا کہ کمیٹی کی کوشش سے مجوزہ کالج قائم ہو گیا تو حکومت دنیوی تعلیم کے لیے حسبِ قواعد گرانٹ دے گی۔ سرسید احمد خاں کی اس تجویز سے مخالفت کا ایک سیلاب امڈ آیا مگر وہ کہاں ہمت ہارنے والے تھے۔ بالآخر کمیٹی کے علی گڑھ کے اجلاس میں مولوی سمیع اللہ خان کی یہ تجویز منظور ہوئی کہ اس سے بہتر کوئی تجویز نہیں کہ بطور نمونہ کے ایک مدرسہ علی گڑھ میں قائم کر دیا جائے جس سے ہمارا مقصدِ تعلیم عملی صورت میں سامنے آجائے۔(۳) ۲۴ مئی ۱۸۷۵ء کو ملکہ وکٹوریہ کی سال گرہ کے موقع پر مدرسہ کا افتتاح ہوا اور یکم جون ۱۸۷۵ء سے باقاعدہ تعلیمی سلسلہ شروع ہو گیا۔ سرسید احمد خان ۱۸۷۶ء میں پنشن لے کر علی گڑھ آ گئے اور دن رات کالج کے کاموں میں جُت گئے اور اس کے لیے چندہ جمع کرنے کی نت نئی ترکیبیں سوچی گئیں۔ ۸ جنوری ۱۸۷۸ء کو کالج کی کلاس کا بھی آغاز ہو گیا اور اینگلو اورینٹل محمڈن کا الحاق کلکتہ و الٰہ آباد کی یونیورسٹیوں سے بھی ہو گیا۔

سرسید احمد خان نے کالج کی تعمیر، تنظیم اور ترقی کے ساتھ ساتھ تصنیف و تالیف کا سلسلہ بھی شروع کر دیا۔ ''تفسیر القرآن'' اسی دور میں تحریر ہوئی۔ ان کی خواہش تھی کہ علی گڑھ کی طرز پر سارے ہندوستان میں ایسے ہی اسکول کالج قائم کیے جائیں تاکہ تعلیم کو عام کیا جا سکے۔ بقول ڈاکٹر جمیل جالبی:

''اسلامیہ اسکول اور کالجوں کا جو سلسلہ برصغیر پاک و ہند کے طول و عرض میں نظر آتا ہے وہ سرسید کی اسی تحریک کا اثر تھا۔ کراچی کا ''سندھ مدرسۃ الاسلام'' بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی تھا، جس میں قائداعظم نے اپنی ابتدائی تعلیم حاصل کی تھی۔ پنجاب، یوپی، بہار میں جو اسکول کھولے گئے ان پر سرسید تحریک کا واضح اثر تھا۔''(۴)

۱۸۸۵ء میں انڈین نیشنل کانگریس کا قیام عمل میں آیا۔ سرسید احمد خان نے دو سال تک اس کی سرگرمیوں کا جائزہ لینے کے بعد اس کی مخالفت کی اور مسلمانوں کو اس میں شرکت سے روکا کیوں کہ وہ اس نظریے کے قائل تھے کہ مسلمان جب تک جدید تعلیم سے بہرہ ور نہیں ہو جاتے انھیں احتجاجی سیاست سے دور رہنا چاہیے۔

۱۸۸۸ء میں سید احمد خاں کو "نائٹ کمانڈر طبقہ اعلیٰ ستارۂ ہند" دیا گیا جس کے بعد وہ سید احمد خان سے سرسید ہو گئے اور یہ ان کے نام کا جُز بن گیا۔ ۱۸۸۹ء میں سرسید احمد خان کو اڈنبرا یونیورسٹی نے ان کی تعلیمی، تصنیفی اور علمی خدمات کے صلے میں اعزازی ڈگری دی۔

۱۸۹۵ء میں کالج کے شام بہاری لال ہیڈ کلرک نے کالج کے فنڈ میں خورد برد کر کے ایک لاکھ پانچ ہزار چار سو نو روپے عیش و عشرت میں اڑا دیئے۔ اس واقعے نے سرسید احمد خان کو شدید صدمے سے دوچار کیا اور وہ بیمار رہنے لگے۔ اسی دوران میں ان کے فرزند سید محمود بیمار ہوئے جس نے ان کی تکلیف میں اور اضافہ کیا۔ سرسید احمد خان ہمت ہارنے والے تو نہ تھے مگر ان پے در پے واقعات سے دلبرداشتہ ہو گئے تھے۔ اس کے باوجود کالج کے معاملات دیکھتے رہے اور متعدد مضامین بھی لکھے مگر عام زندگی میں خاموشی اختیار کر لی تھی اور کسی بھی بات کا جواب ہاں یا ناں سے زیادہ نہ دیتے تھے۔ ان کے یار غار سید زین العابدین خان نے ایک دن پوچھا کہ آپ خاموش کیوں رہتے ہیں۔ اس پر سرسید احمد خان نے کہا "اب وہ وقت قریب ہے کہ ہمیشہ چپ رہنا ہو گا۔ اس لیے خاموش رہنے کی عادت ڈالتا ہوں۔"(۵) ان کی یہ خاموشی ۲۷ مارچ ۱۸۹۸ء کو ابدی خاموشی میں بدل گئی اور وہ دارالعلوم کی مسجد کے شمالی گوشے کے احاطہ میں دفن ہو گئے۔

سرسید احمد خان جامع الحیثیات تھے۔ وہ اپنے زمانے کے رستخیز حالات سے تادمِ مرگ نبرد آزما رہے اور علم و عمل کے میدان میں انمٹ نقوش چھوڑے۔ سیاسی حالات کی ہنگامہ خیزیاں ہوں یا مذہبی اور تعلیمی میدان میں اصلاح سازی، تاریخ و تحقیق کا میدان ہو یا ادب کو اصلاح کار بنانا ہو۔ غرض انھوں نے اپنے بدلتے عہد کو طرزِ کہن سے آزاد کرانے اور جدت آشنا کرنے میں بنیادی نوعیت کا کردار ادا کیا۔ علم و عمل کے میدان میں ان کا ہر نقش دوامیت کا حامل ہے اور اس کے اثرات دیرپا ہیں۔ ہندوستانی سیاسیات میں ان کے کارنامے مسلّم ہیں۔ اپنے مخصوص سیاسی نظریات سے ہندوستان کے مسلمانوں کو بدلنے میں انھوں نے اہم کردار ادا کیا۔ ان کے تعلیمی نظریات دارالعلوم علی گڑھ کی صورت میں ہمارے سامنے ہیں۔ مذہبی حوالے سے انھوں نے فکر و نظر کے ایسے زاویے تراشے جو بعد میں آنے والے مفکرین کے لیے مشعل راہ بنے۔ غرض سرسید احمد خان کی

عہد آفرین شخصیت نے علم و عمل کے میدان میں کارہائے نمایاں انجام دیئے جو الگ الگ باب کے متقاضی ہیں۔ اردو زبان و ادب کی ترویج و اشاعت اور اسے نئی روشوں سے آشنا کرانے میں ان کا حصہ بنیادی ہے۔ اس عہد کا ادب شخصی تاثرات اور طرزِ بیاں کی پر تکلفی، مضمون آفرینی، تصنع، عبارت آرائی اور پرکاری تک محدود تھا۔ فورٹ ولیم کالج نے اردو نثر کو سلیس انداز دینے میں اپنا کردار تو ادا کیا مگر اس عہد کی نثر بھی قصوں کہانیوں کے بیان سے آگے نہ بڑھ سکی۔ مرزا غالب نے اپنے خطوط کے ذریعے سے اسے سادہ اور سلیس بنانے کے ساتھ ساتھ اپنے اخلاص کی حدت دی۔ سرسید احمد خاں نے اردو نثر کو عظیم قومی مقاصد کے اظہار کا وسیلہ بناتے ہوئے اسے قومی و ملی مقاصد کا ترجمان بنایا اور اسے علمی، تحقیقی اور زندگی کے ٹھوس حقائق کے بیان کے متحمل کیا۔ انھوں نے علم و ادب کے میدان میں نہ صرف خود بلکہ رفقا کی ایک جماعت تیار کی جو ان کے مقاصد اور خیالات کی ترجمان اور نقیب بنی۔

سرسید احمد خان کی شخصیت کو ایک تو انقلابات زمانہ نے تغیر آشنا کرنے میں اہم کردار ادا کیا دوسرے خود ان کی ذات اثر پذیر تھی۔ وہ کسی بھی ماحول سے فوری آشنا ہو جاتے اور اس کے اثرات قبول کر لیتے۔ ان میں جلد بدل جانے کی صلاحیت بھی تھی۔ ان کی ابتدائی تربیت قدیم خاندانی روایت کے تحت ہوئی تھی۔ چنانچہ ان کی ابتدائی تحریروں پر اس کے اثرات نظر آتے ہیں۔ انگریز حکومت میں ملازمت اختیار کرنے کے بعد وہ جدید یورپین تصورات سے آشنا ہوئے جبکہ قیام یورپ کے بعد انھوں نے اپنی تحریروں میں وہ رنگ اختیار کیا جو آخر تک ان کی تحریروں میں نظر آتا ہے، جس کے وہ نمایندہ ہیں۔ ان کے تصانیفی ادوار کو عام طور پر تین حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے:

پہلا دور... آغاز تا ۱۸۵۷ء

دوسرا دور... ۱۸۵۷ء تا ۱۸۶۹ء (دورِ اہانگلستان)

تیسرا دور... ۱۸۶۹ء تا ۱۸۹۸ء

پہلا دور... آغاز تا ۱۸۵۷ء

سرسید احمد خاں کا ریاضی اور تصوف کا ذوق وراثتی تھا جبکہ تاریخ نگاری اس عہد کی عطا تھی۔ ان کی اولین عہد کی تصانیف پر قدیم وضع کے اثرات واضح ہیں۔ انگریزوں سے میل جول کے بعد ان کے خیالات میں تھوڑا بہت تغیر تو پیدا ہوا ہے مگر وہ ابھی سطحی نوعیت کا ہے۔ سید احمد بریلوی اور شاہ اسمٰعیل کی تعلیمات کے زیر اثر ان کی تحریروں میں مناظرے اور تقابل ادیان کا اثر بھی نظر آتا ہے۔ دوران ملازمت ایشیاٹک سوسائٹی بنگال

کی تصانیف سے وہ تحقیق و تدقیق کی نئی دنیا سے آشنا ہوئے اور انھوں نے تدوین اور ترتیب متن کا وہ ڈھنگ سیکھا جو ان کی اس عہد کی تصانیف میں سے ''آئین اکبری'' اور ''تزک جہانگیری' میں نظر آتا ہے۔ بحیثیت مجموعی دیکھا جائے تو اس عہد کی تصانیف میں مذہبی رجحان غالب نظر آتا ہے۔

دوسرا دور...۱۸۵۷ء تا۱۸۶۹ء(دورِ انگلستان)

سرسید احمد خان کی تصانیف کا یہ وہ دور ہے جب وہ ۱۸۵۷ء کے ہنگامے کے بعد بجنور میں مقیم تھے اور مسلمان جنگ آزادی میں شکست کے بعد انگریزوں کے زیرِ عتاب تھے۔ چنانچہ اس دور میں سرسید احمد خان نے انگریزوں کے دل سے مسلمانوں کی نفرت کو کم کرنے اور ہر دو کے درمیان مصالحت پیدا کرنے کے لیے ایک ایسا انداز اختیار کیا جو ایک خاص قسم کا معذرتی میلان رکھتا ہے جس کے زیر اثر انھوں نے نئی ''سیاسی حکمت عملی'' کی داغ بیل ڈالی۔(۶) مذہبی نقطۂ نظر میں تغیر کی بدولت انھوں نے جدید علم الکلام کی بنیاد رکھی جس کی نوعیت خالص ''عقلی'' اور ''نیچرل'' تھی۔

تیسرا دور...۱۸۶۹ء تا۱۸۹۸ء

سرسید کی تصانیف کے دوسرے دور میں جو تغیر پیدا ہوا وہ تیسرے دور میں شدت سے نمایاں ہو کر سامنے آتا ہے۔ اس دور میں وہ دین و مذہب کی ناقابل تعبیر جزئیات کے اثبات کے لیے بھی عقل و فکر سے استناد کرتے ہیں، مزید برآں ان کے سیاسی اور تعلیمی نظریات میں بھی جدید انداز فکر نے غلبہ پالیا ہے۔ وہ میکالے کی طرح تمام مشرقی علوم کو ذہن و فکر کے لیے مہلک خیال کرنے لگتے ہیں۔ ان کی اس عہد کی تحریروں پر ان کے قیام انگلستان کے دوران میں انگریز مصنفین سے ہونے والے ربط ضبط کے اثرات واضح ہیں۔ ان کے مختلف ادوار کی تصانیف کی اگر عہد بہ عہد فہرست مرتب کی جائے تو وہ کچھ یوں بنتی ہے:

۱۔ جامِ جم (فارسی)۱۸۳۹ء اس رسالے میں امیر تیمور صاحبقراں سے لے کر ابو ظفر بہادر شاہ تک ۴۳ بادشاہوں کا مختصر حال ہے۔

۲۔ انتخاب الاخوین: یہ رسالہ تقریباً اسی زمانے میں لکھا۔ اس میں قواعد منصفی بیان کیے ہیں۔ سرسید نے اسی زمانے میں خود منصفی کا امتحان دیا تھا۔ اس کی ترتیب میں ان کے بھائی سید محمد خاں بھی شامل تھے۔

۳۔ جلاء القلوبذکرِ المحبوب ۱۲۵۵ھ۔ یہ آنحضرتؐ کی سیرت پر مختصر رسالہ ہے۔ مجالس مولود میں جو رسائل پڑھے جاتے ہیں۔ ان میں صحیح روایتیں کم ہوتی ہیں۔ سید صاحب نے اس کمی کو پورا کرنے کے لیے اس رسالے میں اس زمانے کے خیالات کے موافق صحیح روایتوں کو جمع کر دیا ہے۔

۴۔ تحفہ حسن ۱۳۶۰ھ تحفہ اثنا عشریہ کے باب ۱۰، ۱۲ کا اردو ترجمہ جس میں شیعہ کے بعض اعتراضات کا جواب دیا گیا ہے۔

۵۔ تسہیل فی جرّ الثقیل۔ ۱۸۴۴ء بو علی کے ایک فارسی رسالہ معیار العقول کا اردو ترجمہ جس میں جرِّ ثقیل کے پانچ اصول بیان کیے گئے ہیں۔

۶۔ آثارالصنادید۔ ۱۸۴۷ء۔ سرسید جب فتح پور سے تبدیل ہو کر دہلی آئے تو اس زمانے میں انھوں نے دہلی کی عمارات کا حال لکھا۔ اس کتاب کا دوسرا ایڈیشن ۱۸۵۴ء میں شائع ہوا۔ ۱۸۴۷ء والے ایڈیشن کا اسلوب بیان پر تکلف ہے۔ دوسرے ایڈیشن میں آسان اور سلیس زبان استعمال کی گئی ہے۔

۷۔ فوائد الافکار فی اعمال الفرجار۔ یہ ان کے نانا کی بعض فارسی تحریرات کا ترجمہ ہے جو انھوں نے پرکار متناسبہ کے اعمال پر لکھی تھیں۔ یہ اردو ترجمہ سید صاحب نے دو انگریز عالموں کی فرمائش سے کیا تھا۔

۸۔ قول متین در ابطالِ حرکتِ زمین۔ یہ رسالہ زمین کی گردش کی تردید اور آسمان کی گردش کی حمایت میں لکھا ہے (یہ خیال سید صاحب نے بعد میں تبدیل کر لیا تھا اور بعد میں وہ حرکت زمین کو یقینی مانتے تھے۔)

۹۔ کلمۃ الحق۔ ۱۸۴۹ء۔ یہ رسالہ پیری مریدی کے طریقہ مروّجہ کے خلاف لکھا۔

۱۰۔ راہِ سنت وردِّ بدعت۔ ۱۸۵۰ء۔ یہ ''طریقہ محمدیہ'' کی تائید میں لکھا جس میں اہلِ تقلید کے مروّجہ عقائد و رسوم کی مخالفت کی۔ اس میں 'وہابی' اثرات غالب نظر آتے ہیں۔

۱۱۔ نمیقہ۔ در بیان مسئلہ تصور شیخ۔ ۱۸۵۲ء (فارسی) تصور شیخ کی حمایت میں بعض دلائل ایک فرضی خط میں پیش کیے ہیں۔

۱۲۔ سلسلۃ الملوک۔ ۱۸۵۲ء۔ دہلی کے ۲۰۳ بادشاہوں کی فہرست جو پہلے آثارالصنادید کے دوسرے ایڈیشن کے باب اول کے ساتھ تھی بعد میں الگ شائع کی گئی۔

۱۳۔ کیمیائے سعادت۔ غزالی کے چند اوراق کا اردو ترجمہ۔ ۱۸۵۳ء

۱۴۔ تاریخ ضلع بجنور۔ ۱۸۵۵ء میں سرسید صدر امین ہو کر دہلی سے بجنور تبدیل ہو گئے تھے۔ وہاں انھوں نے محکمہ کے زیر ہدایت اپنے ماتحت ضلع کی تاریخ قلم بند کی تھی جو غدر میں ضائع ہو گئی تھی۔

۱۵۔ سرسید نے اسی زمانے میں آئین اکبری کی تصحیح و اشاعت کا کام شروع کیا لیکن اس کے بعد غدر کا ہنگامہ ہو گیا۔ چنانچہ دوسری جلد اسی کی نذر ہو گئی۔ اب اس کی پہلی اور تیسری جلد موجود ہے۔

۱۶۔ تاریخ سرکشیِ بجنور۔ سید صاحب نے بجنور میں واقعاتِ غدر کو جمع کرنا شروع کیا تھا، مراد آباد میں آکر انھوں نے اپنی معلومات کو مرتب اور شائع کیا۔ اس رسالے میں مئی ۱۸۵۷ء سے لے کر اپریل ۱۸۵۸ء تک کے واقعات درج ہیں۔

۱۷۔ اسباب بغاوتِ ہند۔ ۱۸۵۹ء جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے اس رسالے میں بغاوت ہند کے اسباب سے بحث کی ہے۔ کرنل گراہم نے اس کا انگریزی میں ترجمہ کیا۔

۱۸۔ رسالہ لائلمحمڈنز آف انڈیا۔ ۱۸۶۰ء میں جاری ہو کر ۱۸۶۱ء میں بند ہو گیا۔ یہ اخبار کی طرز کی چیز تھی۔ اس میں ان مسلمانوں کے حالات بیان کیے جاتے تھے جو... ابتلائے غدر میں انگریزوں کے طرف دار رہے، یہ پرچہ اردو اور انگریزی دونوں زبانوں میں شائع ہوتا تھا۔

۱۹۔ تحقیق لفظ نصاریٰ۔ اسی زمانے میں سید صاحب کو جب یہ معلوم ہوا کہ حکومت لفظ نصاریٰ کے استعمال کو بغاوت کا مترادف سمجھتی ہے اور ان مسلمانوں کو جو اپنی تحریروں میں اس لفظ کا استعمال کرتے ہیں، سزائیں دے رہی ہے، تو انھوں نے انگریزوں کی غلط فہمی رفع کرنے کے لیے قرآن و حدیث اور لغت کی روشنی میں لفظ کی تشریح کی اور بتایا کہ اس کا استعمال اصولاً کسی جذبۂ نفرت یا شائبہ مخالفت کا حامل نہیں۔

۲۰۔ تاریخ فیروز شاہی مصنفہ ضیا برنی۔ یہ کتاب سلاطین ہند کی مستند تاریخ ہے۔ مصنف سلطان محمد تغلق اور فیروز شاہ تغلق کا معاصر تھا۔ سید صاحب نے اس کو ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کی فرمائش پر ایڈٹ کیا۔ اس کے شروع میں ایک دیباچہ لکھ کر ۱۸۶۲ء میں شائع کیا۔

۲۱۔ تبیین الکلام۔ یہ کتاب مراد آباد میں شروع ہوئی اور غازی پور میں تکمیل تک پہنچی۔ اس میں انجیل اور قرآن مجید کی اصولی وحدت ثابت کی گئی ہے اور جہاں دونوں میں اختلافات نظر آتے ہیں ان میں مطابقت پیدا کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

۲۲۔ سید صاحب نے غازی پور کے قیام کے دوران میں سائنٹیفک سوسائٹی قائم کی تھی۔ اس کے زیر اہتمام تراجم کا کام بہت سرگرمی سے ہوا۔ ۱۸۶۶ء میں سید صاحب نے علی گڑھ سے ایک اخبار نکالا جس کا نام سائنٹیفک سوسائٹی اخبار رکھا۔ جس کے وہ خود ایڈیٹر تھے۔ بعد میں اسی اخبار کا نام علی گڑھ انسٹیٹیوٹ گزٹ رکھا تھا۔ اس میں شروع شروع میں سیاسی مضامین لکھے جاتے تھے جن کا مقصد انگریزوں اور ہندوستانیوں کو متحد کرنا تھا۔

۲۳۔ رسالہ احکام طعام اہل کتاب۔ اس رسالہ میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ مسلمان انگریزوں کے ساتھ کھانا کھا سکتے ہیں اور اس میں کوئی شرعی قباحت نہیں۔

۲۴۔ سفر نامہ لندن: انگلستان سے واپس آکر سید صاحب نے اپنے سفر انگلستان کے مشاہدات و تاثرات قلم بند کرنے شروع کیے تھے۔ اس کی کچھ اقساط سوسائٹی اخبار میں شائع ہوئیں مگر پبلک کی مخالفت کی وجہ سے اس سلسلے کو بہت جلد بند کرنا پڑا۔

۲۵۔ خطباتِ احمدیہ: یہ سر ولیمیور کی کتاب 'لائف آف محمدؐ' کے اعتراضات کا جواب ہے۔ اس میں حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہو سلم کی ذات بابرکات کو ہر عیب سے مبرّا قرار دیا ہے۔ ان خطبات میں سید صاحب نے اپنی تحقیق و جستجو کا اعلیٰ نمونہ پیش کیا ہے۔ پوری کتاب ۱۳ خطبات پر مشتمل ہے۔

۲۶۔ تہذیب الاخلاق: یہ پرچہ ۲۴ دسمبر ۱۸۷۰ء کو شائع ہونا شروع ہوا اور تین دفعہ نئی زندگی پائی۔ اس میں سید صاحب کے علاوہ ان کے بیشتر رفقا مضمون لکھا کرتے تھے۔

۲۷۔ ڈاکٹر ہنٹر کی کتاب پر ریویو: ۱۸۷۱ء میں ڈاکٹر ہنٹر نے "our Indian Muslimans" کے نام سے ایک کتاب لکھی، جس میں یہ ثابت کیا کہ مسلمانان ہندوستان مذہباً اور سیاسۃً انگریزوں کے خلاف بغاوت کرنے پر مجبور ہیں اور انگریزی حکومت کو ان سے کسی حالت میں اطمینان نہیں ہو سکتا۔ اس خیال سے کہ مسلمانوں اور انگریزوں کے تعلقات پہلے ہی خوشگوار نہیں۔ سرسید احمد خان کو یہ خیال گزرا کہ اس کتاب سے ان کے مزید ناخوشگوار ہونے کا ڈر ہے۔ اس وجہ سے انھوں نے اس کتاب پر سخت نکتہ چینی کی اور ہنٹر کی خیال آرائی کی برلائل تردید کی۔ یہ ریویو پہلے پایونیر میں چھپا۔ پھر اردو میں ترجمہ ہو کر سوسائٹی اخبار کی ۲۴ نومبر ۱۸۷۱ء سے ۲۳ فروری ۱۸۷۲ء تک کی ۱۴ اشاعتوں میں شائع ہوا۔(۷)

حوالہ جات

۱۔ مولانا الطاف حسین حالی، حیات جاوید، لاہور، ہجرہ انٹرنیشنل پبلشرز، طبع اول، ۱۹۸۴ء، ص:۱۶

۲۔ مولانا الطاف حسین حالی، حیات جاوید، ص:۱۷

۳۔ جمیل جالبی، ڈاکٹر، تاریخ ادب اردو، جلد چہارم، لاہور، مجلس ترقی ادب، طبع دوم، ۲۰۱۵ء، ص:۸۲۱

۴۔ جمیل جالبی، ڈاکٹر، تاریخ ادب اردو، جلد چہارم، ص:۸۲۳

۵۔ حیات جاوید، ص:۳۰۳

۶۔ سید عبداللہ، ڈاکٹر، سرسید احمد خان اور ان کے نامور رفقا کی اردو نثر کا فنی اور فکری جائزہ، اسلام ا آباد، مقتدرہ قومی زبان، طبع اول، ۱۹۸۶ء، ص:۱۰

۷۔ سید عبداللہ، ڈاکٹر، سرسید خان اور ان کے نامور رفقا کی اردو نثر کا فنی اور فکری جائزہ، ص:۱۴